(غلام گردش)

ملکہ برطانیہ کا جوابی خط!

سو برس پہلے، ایک برطانوی افسر کو برصغیر میں تعینات کیا گیا۔ لندن میں سیکرٹری آف سٹیٹ نے ہندوستان میں تعیناتی کا پروانہ دیا۔ وہ شخص کبھی بھی برطانیہ سے باہر نہیں گیا تھا۔ بہرحال اس وقت سفارش کا کلچر شائد کم ہوگا لہذا بحالت مجبوری کوئلے سے چلنے والے دخانی جہاز پر بیٹھ گیا۔ کئی دنوں کے بعد کلکتہ کی بندرگاہ پہنچا تو اسکی حالت غیر ہو چکی تھی۔ شدید گرمی اور ہر وقت عجیب سا موسم۔ وہاں سے طویل سفر کے بعد دہلی پہنچا۔ وائسرے آفس میں رپورٹ کی۔ چند دن بعد اسے وسطی انڈیا میں بطور انتظامی افسر تعینات کر دیا گیا۔ مقامی لوگوں سے اسکی پہلی ملاقات تھی۔ یا کہنا چاہیے کہ برطانیہ سے باہر، اس افسر کی پہلی ایسی تعیناتی تھی جس سے اندازہ ہوا کہ برصغیر کے لوگ کیسے ہیں۔ کس طرح زندگی گزارتے ہیں۔ انکی عادات کیا ہیں اور انکی خصلت کیا ہے۔ پانچ مہینے بعد، صوبائی انگریز گورنر کو خط لکھا کہ اسکو واپس برطانیہ بھیج دیا جائے۔ گورنر نے بات ماننے سے انکار کر دیا اور حکم دیا کہ دل لگا کر کام کرے۔ گورنر کا خیال تھا کہ شائد یہ افسر کام چور ہے اور محنت سے گھبرا کر واپس جانا چاہتا ہے۔ مگر معاملہ یہ نہیں تھا۔ بلکہ بالکل برعکس تھا۔ گورا افسر اپنے ضلع میں واپس چلا گیا اور اسی طرح ایک سال گزر گیا۔ اصل مسئلہ یہاں کے مقامی لوگوں کا عملی چال چلن تھا۔ جو اسکو بالکل سمجھ نہیں آتا تھا۔ جتنا وہ سرکاری عمال اور اردگرد کے لوگوں کو دیکھتا تھا، مزید پریشان ہو جاتا تھا۔ ایک دن، فیصلہ کیا کہ ساری صورتحال، ملکہ برطانیہ کے سٹاف کو لکھ کر بتائیگا اور پھر فیصلہ کا انتظار کریگا۔ برطانوی افسر نے ایک خط لکھا جسکی جزئیات پیش کر رہا ہوں۔

انتہائی قابل احترام ملکہ،

آپکی رعایا میں خادم سرکاری ملازم ہے اور برصغیر ہندوستان میں تعینات کیا گیا ہے۔ مجھے اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں کیونکہ حلف لیا ہے کہ جہاں بھی آپکا حکم ہوگا، وہاں اپنا سر تسلیم خم کرونگا۔ لیکن ہندوستان آ کر سخت پریشان ہو گیا ہوں۔ اس ذہنی دباؤ کی اصل وجہ مقامی لوگوں کا عملی طرزِ عمل ہے۔ میرے پاس جو بھی درخواست گزار آتا ہے، تحریر کے مطابق اسکے ساتھ بے حد ظلم کیا گیا ہے۔ نام بھی کسی نہ کسی کا درج ہوتا ہے کہ میرے ساتھ فلاں بندے نے زیادتی کی ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ نوے فیصد درخواست گزار جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں۔ انکی تحریر میں درج الزامات کی جب تحقیق کروائی جاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ جس آدمی کو مورد الزام ٹھہرایا جا رہا ہے، وہ تو مکمل طور پر بے قصور ہے۔ اصل زیادتی کا مرتکب تو خود درخواست گزار ہے۔ ایک اور بات جو یہاں آ کر بار بار دیکھی کہ مقامی سطح پر رشوت کو بالکل برا نہیں سمجھا جاتا۔ ہر سرکاری ملازم، اپنے اپنے انداز میں پیسے لیکر لوگوں کو بے جا رعایت دے رہا ہے۔ اگر اپنے ماتحت کو بلا کرنا اہلی یا کرپشن پر ڈانٹتا ہوں، تو میرے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا ہے۔ سختی کرنے پر معافیاں مانگتا ہے۔ پیر بھی پکڑ لیتا ہے۔ مگر باہر جا کر دانت نکال کر ہنستا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ مقامی لوگ قول و فعل کے تضاد کو بالکل برا نہیں سمجھتے۔ بلکہ اس پر اندر ہی اندر سے فخر کرتے ہیں۔ جھوٹی گواہیاں بالکل عام ہیں۔ تھوڑے سے پیسے دیکر آپ کسی سے کچھ بھی کروا سکتے ہیں۔ بطور سرکاری ملازم، اس صورتحال میں کام کرنے کی پوزیشن میں ہی نہیں ہوں۔ لہذا مجھے واپس برطانیہ بلا لیا جائے۔" آپکا خادم"۔ اس طویل خط کو بے

حد مختصر کر کے پیش کیا ہے۔اسکا مقصد صرف ایک ہے کہ سو سال قبل ہمارے حالات کیسے تھے۔مگر اب ملکہ کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔یہ جواب انکے سیکرٹری کی جانب سے دیا گیا تھا۔

آپکا خط ملا اور اسے ملکہ کے احکامات کیلئے پیش کیا گیا۔ملکہ عالیہ کے چند نکات رہنمائی کیلئے درج کروائے ہیں۔اس پر غور فرمایئے۔پہلی بات۔اگر برصغیر کے لوگ صاحبِ کردار ہوتے تو کیا یہ کبھی اس ابتری کی حالت تک پہنچ سکتے تھے،جس میں آج ہیں۔اگر یہ ایک دوسرے کے خلاف جھوٹ اور مبالغہ کو اپنا طرزِ عمل نہ بناتے اور متحد رہتے تو کیا انہیں ہرایا جاسکتا تھا۔پورے برصغیر میں برطانوی افسران دو ہزار کے قریب ہیں۔اگر یہ لوگ رشوت،دوعملی اور ایک دوسرے سے مکمل طور پر ناانصافی کے مرتکب نہ ہوتے تو کیا ان کروڑوں انسانوں کو صرف چند ہزار برطانوی افسروں سے کنٹرول کیا جاسکتا تھا۔اگر یہ علم،تحقیق اور جدت پر غور کرتے،تو انکے ذہن کھل سکتے تھے۔مگر یہ لوگ تو نئی سوچ کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔چنانچہ انکی غلامانہ ذہنیت ہمارے مقاصد کیلئے بہت مناسب ہیں۔لہذا فکر نہ کیجئے۔آرام سے یہاں حکمرانی کیجئے۔ان لوگوں کو قطعاً اہمیت نہ دیں۔انکی اوقات یہی ہے کہ آپ جیسے قابل لوگ انہیں اپنی ایڑی کے نیچے دبا کر رکھیں۔یہ جیسے ہیں،ویسے ہی رہینگے۔فکر کی کوئی بات نہیں۔ملکہ نے حکم دیا ہے کہ آپ برصغیر میں ہی رہینگے لہذا دوبارہ کوئی درخواست بھیجنے کی ضرورت نہیں۔"منجانب سیکرٹری آف یونین سٹیٹس۔

دو خطوط ایک جگہ نظر سے گزرے تو سوچ میں ڈوب گیا۔ہوسکتا ہے کہ یہ مبالغہ آرائی ہو۔مگر انکے درج شدہ حقائق یکسر طور پر نظرانداز نہیں کیے جاسکتے۔دونوں تحریریں میری عزتِ نفس پر چرکے ہیں۔جتنا سوچتا ہوں مجھے یہ خط فریب نظر نہیں بلکہ ایک صدی پہلے کی حقیقت بھی نہیں،آج کا سچ معلوم ہو رہا ہے۔ہوسکتا ہے کہ میری سوچ بالکل غلط ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ خطوط بھی جعلی ہوں۔مگر کیا یہ سب کچھ غلط لکھا ہوا ہے۔ایک صدی پہلے،برصغیر میں تمام مقامی لوگ غلام بن چکے تھے۔ہمارا حکمران تاجِ برطانیہ تھا۔اس وقت مقامی لوگوں کی عادات اور خصائل کافی حد تک ادنیٰ تھے۔سوچ بھی غلامانہ تھی۔مگر ایک صدی گزرنے کے بعد اپنے معاشرے کو دیکھنا انتہائی ضروری ہے۔اگر آج بھی غیر متعصب طریقے سے اپنے حالات کو دیکھیے تو کسی قسم کا کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ہوسکتا ہے تنزلی کے سفر میں کافی آگے نکل ہو چکے ہوں۔اردگرد نظر ڈالیے۔کیا ہمارا پورا معاشرہ آج تک جھوٹ پر نہیں کھڑا ہوا۔اکثریت جھوٹ در جھوٹ کو ہی سچ منوانا چاہتی ہے۔دور مت جایئے۔ابھی الیکشن ہونے والے ہیں۔کیا ہمارے سیاسی رہنماؤں نے اپنی جائیدادوں کی جو قیمت بتائی ہے،کیا واقعی وہی اصل قیمت ہے۔کیا انہیں کوئی شرم یا حیاء آئی ہے کہ اربوں روپے کی جائیداد کی قیمت چند لاکھ یا چند کروڑ بتائی گئی ہے۔سب سے عجیب بات یہ بھی ہے الیکشن کمیشن نے یہ سب کچھ تسلیم کر لیا ہے۔ریٹرننگ افسروں نے بھی انکے حق میں فیصلے دیے ہیں۔وہ خواتین جو صرف ایک سے ڈیڑھ کروڑ روپے کی انگوٹھی ہر وقت پہنتی ہیں،قوم کو بتا رہی ہیں کہ انکے پاس تو صرف چند لاکھ کے زیوارات ہیں۔یہ بھی حقیقت ہے کہ ان سیاسی خواتین کے پاس اربوں کے زیورات ہیں مگر درج شدہ قیمت صرف چند لاکھ ہے۔چلیے،دوسری سمت دیکھیے۔کیا برطانیہ یا امریکہ کا الیکشن کمیشن انکی بتائی ہوئی قیمتوں کو تسلیم کریگا۔کیا فرانس کا جج یا ریٹرننگ افسر انکی جائیدادوں کی قیمتوں کو صحیح گردانے گے۔قطعاً نہیں۔وہاں تو یہ لوگ جھوٹ بولنے کی جرات ہی نہیں کر سکتے۔سوچ بھی نہیں سکتے۔مگر کیونکہ ہمارے معاشرے کی

بنیاد ہی مبالغہ اور جھوٹ کی آمیزیش ہے، لہذا یہاں پر کوئی بھی سچ بولنے، سچ سننے اور سچ کو پہچاننے کیلئے تیار نہیں ہے۔

انگریز افسر کی لکھی ہوئی ایک بات یعنی رشوت پر بھی بحث لازم ہے۔ ذاتی خیال ہے کہ سو سال پہلے رشوت کا کلچر کافی کم تھا۔ کم از کم بالائی اور درمیانی سطح پر رشوت اتنی عام نہیں تھی۔ مگر آج کے پاکستان میں کیا کوئی بھی ذی شعور دعویٰ سے کہہ سکتا ہے کہ اس نے چھوٹے یا بڑے، ادنیٰ یا ارفع کام کے لیے کبھی کسی کی مٹھی گرم نہیں کی۔ مشکل ہوگا۔ دعویٰ کرنا انتہائی ناممکنات میں سے ہے۔ ویسے گزارش ہے کہ ہندوستان میں بھی یہی حالات ہیں۔ ایک سیاستدان نے بتایا کہ ہندوستان گیا تھا۔ اتفاق سے امرتسر ڈسٹرکٹ ہسپتال جانے کا موقعہ ملا۔ یہ پندرہ برس پہلے کی بات ہے۔ ایم ایس سے ملاقات ہوئی۔ نوجوان پاکستانی ایم این اے نے سوال کیا کہ کیا آپ کے نظام میں رشوت کا لین دین ہے۔ جواب حیران کن تھا۔ بتانے لگا کہ پچیس سال سے سرکار کی نوکری کر رہا ہوں۔ آج تک ایک بھی ایسی پوسٹنگ نہیں کی جسکے لیے رشوت نہ دی ہو۔ ہاں ایک اور بات۔ سینئر افسروں کی سیٹوں کیلئے باقاعدہ نیلامی ہوتی ہے۔ جو افسر بھی نیلامی میں سب سے زیادہ رقم بتاتا ہے، اسے پوسٹ دے دی جاتی ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ مدت کیلئے بھی رشوت ہوتی ہے۔ یعنی ایک سال کی پوسٹنگ کے پیسے الگ اور دو سال کیلئے بالکل الگ۔ نظر نہ آنے والی ریٹ لسٹ ہر دفتر میں آویزہ ہے۔ پاکستان میں بھی اکثر جگہ یہی حال ہو چکا ہے۔ یہاں تو کئی بار وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا انکے قریبی لوگ، آرام سے اچھی پوسٹنگ کے پیسے لے لیتے ہیں۔ ہر ایک کو، تمام تلخ باتوں کا پتہ ہے۔ مگر اسکے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

انگریز افسر تو نوکری پوری کر کے برصغیر سے چلا گیا۔ مگر کیا اسکی لکھی ہوئی باتیں غلط تھیں۔ کیا ملکہ برطانیہ کا جواب کا ایک فیصد بھی جھوٹ تھا۔ ایسے لگتا ہے کہ دونوں خط سو سال پہلے لکھے گئے تھے۔ دراصل ہمارے موجودہ حالات کے متعلق تھے۔ ہم دراصل کبھی آزاد ہوئے ہی نہیں۔ ہماری غلام ذہنیت ہماری اصل آقا ہے۔ غلام بن غلام کے اس خطہ میں کونسا انصاف اور کونسا میرٹ!

راؤ منظر حیات